یا اللہ جل جلالہ مدد

حق چار یار

خلافت راشدہ

اصلی کلمہ اسلام

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

قاضی مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا مسلک

قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین

کے والد گرامی کے مسلک و مشرب کے متعلق

بعض معترضین کے [illegible] بخش جواب

حافظ عبدالجبار [illegible]

ادارہ مظہر التحقیق لاہور
0321-4145543
0322-8464167

خوبصورت، تحقیقی اور معیاری مطبوعات کے ذریعے
علم کی خدمت میں مصروف

ادارہ مظہر التحقیق

نام کتاب.........حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ کا مسلک

تصنیف.........مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

ناشر.........ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد، ختم نبوت کھاڑک

.........ملتان روڈ۔ لاہور 0322-8464167-0321-4145543

ملنے کے پتے

قاری عبدالرؤف نعمانی اچھرہ لاہور 0300-4273864

مکتبہ سید احمد شہید اُردو بازار لاہور، 0423-7228272

مکتبہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، 5 غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور 0315-7833863

المکتبہ اہلسنت، رسول پلازہ امین پور بازار فیصل آباد، 0321-7837313

دفتر تحریک خدام اہل سنت مدنی مسجد چکوال 0313-5128490

مکتبہ عشرہ مبشرہ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

دفتر ماہنامہ حق چار یار جامع مسجد میاں برکت علی مدینہ بازار اچھرہ لاہور
0423-7593080

(مقدمہ آفتاب ہدایت)

حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ کا مسلک

قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے
والدِ گرامی کے مسلک و مشرب کے متعلق بعض
معترضین کے پیدا کردہ شبہات کا تسلی بخش جواب

از قلم:

حافظ عبدالجبار سلفی

ناشر:

مظہر التحقیق لاہور

0321-4145543

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا دبیرؒ کا طائرِ فکر، دیوبند کے شاخسار پر

از قلم: حافظ عبدالجبار سلفی

برصغیر پاک و ہند میں رافضیت اور سُنیت کی باہمی چپقلش ہمیشہ رہی ہے۔ علماء اہل سنت حسبِ ضابطۂ قرآن مجید دعوتِ بالحکمت، دعوتِ بالموعظۃ، اور دعوتِ بالمجادلۃ سے اصلاحِ عقائد کا فریضہ سرانجام دیتے رہے تا آنکہ ایک وقت ایسا آ گیا کہ احناف کے مقابل غیر مقلدیت کھڑی ہوگئی۔ ہندوستان ابتداء ہی سے احناف کی آماجگاہ رہا ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ تھا یا محض اتفاقی فکری تزلزل، کہ اہل حدیث حضرات احناف کے مقابل آ کھڑے ہوئے اور اپنی تقریروں، تحریروں میں علانیہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر سبّ و شتم کرنے لگے۔ اب اہل السنّت والجماعت کی علمی توانائی تقسیم ہوگئی کبھی شیعیت سے محاذ آرائی تو کبھی غیر مقلدیت سے، دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی آغاز ہو چکا تھا۔ ❶ چوٹی کے علماءِ دین شب و روز خدمتِ دین میں مصروف رہتے اور اس درسگاہ میں محض کتابی ورق گردانی نہیں ہوتی تھی۔ باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی اور اصلاحِ عقائد کے ساتھ اصلاحِ احوال پر خاص توجہ دی جاتی۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے صرف چھ ماہ بعد سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم کی بنیاد بھی رکھ دی گئی اور یوں یہ دونوں ادارے علوم نبوت کی خدمت میں اپنی اپنی بساط کے مطابق منہمک ہوگئے۔ دارالعلوم کے علماء جو دیوبند بستی کی نسبت سے ''دیوبندی'' معروف و مشہور ہوگئے تھے۔ خالص سُنی اور حنفی المسلک تھے۔ سرزمین ہند میں سُنیت و حنفیت کا جو معتدل مزاج خاندانِ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ذریعے سے ایک دنیا کو اپنی تاثیر کی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ آنے والے وقتوں میں یہی مزاج، اسلوب، زاویہ فکر اور منہج حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور ان کے حلقۂ اثر کو نصیب ہوا۔ ان علماء دین نے یکسر دنیا سے بے نیاز ہو کر

---

❶ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

اور آسائش و ستائش سے کلیۃً بیزار ہو کر سُنیت اور حنفیت کی حقانیت کو بام عروج پر پہنچایا اور اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں، عیسائیوں اور دیگر غیر مسلم لوگوں سے ہر ممکن مسلمانوں کو محفوظ رکھنے میں مخلصانہ وحکیمانہ کردار ادا کیا۔

کچھ عرصے کے بعد ایک اور نظرِ بد لگی۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اپنی اپنی دو دھاری تلواریں چمکانا شروع کر دیں۔ دینِ فطرت کا اثاثہ انبیاء ہوتے ہیں اور انبیاء کے وارثین علماء کرام! اس امت کا سب سے پہلا اجماع اور اتفاق حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ہوا۔ اب جب سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا اور علومِ نبوت کے وارث علماء دین ٹھہرے تو لامحالہ انبیاء علیہم السلام والی آزمائشیں ان کا نصیبہ بنیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے عقیدہ ختم نبوت پر وار کیا اور مولانا احمد رضا خان صاحب وارثینِ انبیاء پر حملہ آور ہو گئے۔ اوّل الذکر کے دماغ میں خلل تھا اور ثانی الذکر کے دل میں فتور تھا۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے دماغوں پر وحی خداوندی کا پہرہ ہوتا ہے اس لیے جو غیر نبی ہو کر منصبِ نبوت پر شب خون مارتا ہے۔ دنیا کے اندر الٰہی انتقام کی پہلی لاٹھی اس کے دماغ پر برستی ہے اور وارثینِ انبیاء یعنی علماءِ کرام کے دلوں پر علوم نبوی کا ٹھنڈا سایہ ہوتا ہے۔ اس لیے جو ان سے عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور دل میں بدگمانیوں کی کالی چمگادڑیں بسیرا کر لیتی ہیں ..... یہ دنیا میں ان کی سزا کا ایک نمونہ ہوتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے عُشاقانِ نبوت پر یہ الزام لگایا کہ ان کی کتب کی فلاں فلاں عبارات سے توہینِ نبوت کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ ایسی عبارتیں موجود تھیں تو عبارات لکھنے والے اکثر علماء کرام یا ان کے متبعین بھی موجود تھے جو باندازِ احسن ان کی توجیح یا وضاحت کر رہے تھے اور اس مفہوم سے اظہارِ برأت کر رہے تھے جو مولانا احمد رضا خان صاحب کے دل میں سمایا تھا مگر خان صاحب بضد تھے کہ نہیں اخلاقیات اور دیانت، شریعت اور سلیم فطرت اس کی اجازت بھلے نہ دیں۔ عبارتیں دوسروں کی ہوں گی مگر مراد اور معانی میرے ہوں گے۔ میں جسے چاہوں اسلام کا سرٹیفکیٹ دے دوں اور جسے چاہوں کافر بنا دوں۔ آہ

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

وہ علماءِ دین جن کے سروں پر ایک ہی دُھن سوار رہتی تھی کہ کاش کافر مسلمان ہو جائیں۔ لوگ رفض وبدعت کے نرغے سے نکل کر اسلام کے چشمۂ صافی پر آ جائیں اور ترک تقلید کے موذی مرض سے شفاء یاب ہو کر اعتماد علی السلف کے رستے پر آ جائیں۔ اب انہی مخلصین کو کُفر کے فتوؤں کا سامنا تھا۔ اِدھر ازالۂ غلط فہمی کی برابر کوشش اور اُدھر متواتر شوقِ تکفیر۔ دارالعلوم کا مدرسہ دیوبند کے علاقے میں تھا اور تکفیری خان صاحب کا مسکن اور مورچہ بانس بریلی میں۔ ان مسلسل الزامات اور مسلسل صفائیوں کے درمیان خود بخود ''دیوبندی اور بریلوی'' کی تقسیم سامنے آ گئی۔ یہ نام محض تعارفی ہوتے تو کوئی حرج نہ تھی۔ مگر ان کی بنیاد میں چونکہ نفرت، حسد اور بُغض کار فرما تھا۔ چنانچہ مسلمانانِ ہند کا شیرازہ آہستہ آہستہ بکھرتا نظر آنے لگا۔ اِدھر علماءِ اہل سنت پریشان اور اُدھر خان صاحب باخندو مُسکان تھے کیونکہ وہ تو چاہتے یہی تھی کہ قصرِ اہل سنت میں شگاف پڑیں اب جب مسلمانوں کو مولانا احمد رضا خان صاحب جیسے ''دوست'' مل گئے تو انہیں دشمنوں کی ضرورت نہ رہی۔

خان صاحب نے اپنی فکر کیسے پھیلائی؟

مولانا احمد رضا خان صاحب نے ابتداء میں اپنا فکری پرچار یا دوسرے لفظوں میں لوگوں کو علماء سے بیزار کرنے کے لیے جو پہلا فارمولہ اپنایا وہ یہ تھا کہ دیہاتوں کا رُخ کیا اور دیہاتی لوگوں کو شکار کیا۔ یاد رہے کہ اسلام میں شہری، دیہاتی کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ دیہاتی لوگوں میں عقل تو ہوتی ہے مگر عقل کو جلا دینے والا علم، ادارہ اور ماحول نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شہروں میں بسنے والے زیادہ تر دیہاتوں سے ہی اُٹھ کر آباد ہوتے ہیں کیونکہ پاک وہند کی اکثریتی آبادی دیہی ہے۔ مگر جب شہروں میں آ کر علم کی کرن پڑتی ہے اور عقل جلا پاتی ہے تو لاشعوری طور پر دیہاتی شہری کی تقسیم

زبانوں پر آجاتی ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے دیہاتی علاقوں میں اپنے مورچے قائم کیے اس کی وجہ یہی تھی کہ ایک تو یہاں تحقیق کا مزاج نہیں ہوتا، دوسرے نمبر پر جو علاقائی رسومات و بدعات پہلے سے دیہاتوں میں رائج تھیں انہیں شرعی سند عطا کر دی گئی۔ گویا بریلوی مسلک کی اپنی کوئی فکری اساس ہے تو وہ فقط ''تکفیر'' ہے۔ آخر مولانا معین الدین اجمیری بھی تو خان صاحب کے متعلق کہہ اُٹھے تھے کہ

''آپ کی شمشیر تکفیر سے سلف صالحین کی گردنیں بھی محفوظ نہیں''

(تجلیات انوار المعین، ص ۳۹)

چنانچہ آج بھی آپ کو اہل حق کے خلاف بلا سوچے سمجھے وہابیت کے طعنے دینے والے اکثر لوگ دینی و دنیاوی تعلیم سے محروم نظر آئیں گے، ایسے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا ذرا آسان ہوتا ہے اور حقیقت میں یہی مولانا خان صاحب کی پنیری تھیا اور یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ علماءِ دیوبند کی معتدل پالیسی نے نہ صرف اہل السنّت والجماعت کی میراثِ فکری کو سنبھالا ہے بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں بُھولے بھٹکے لوگ دوبارہ حقیقی سُنیت کے سائے میں آ بیٹھے یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ عملی طور پر مسلمانوں نے مولانا احمد رضا خان صاحب کے تکفیری فتاویٰ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ دیوبندی، بریلوی دونوں مسالک کے لوگوں کے مابین رشتے ناطے، خوشی و غمی میں شرکت اور اشتراکِ تجارت و معاشرت میں بدستور بلکہ دن بدن مسرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے۔ اور یہ علماءِ اہل السنۃ والجماعت کی حکمتِ عملی، بُردباری اور خلوص وللّٰہیت کا نتیجہ ہے۔

بریلوی علماء کرام خود فتووں کی زد میں

اور اب صورت حال بالکل بدل چکی ہے۔ بریلوی علماء کرام نے اپنے عوام کو اس قدر شُتر بے مہار بنا دیا کہ اب وہ خود ایک بند گلی میں داخل ہو چکے ہیں کہ آگے رستہ بند ہے اور پیچھے منہ زور اور ان پڑھ عوام کی شورش...... چنانچہ بات بات پر علماءِ بریلوی اپنے ہی لوگوں کی جلی کٹی سُن سُن کر انگشت بدنداں ہیں کہ اب ان ہی کی وہ بھد اڑائی جا رہی ہے کہ الامان والحفیظ! چنانچہ بریلوی علماء کرام تبادلہ فکر و خیال میں کہیں معمولی سے رائے بھی عام.

دیوبند کے حق میں دے دیں، تو ٹھاہ کر کے فتویٰ کفران کے ماتھے پہ آ لگتا ہے...... بریلوی مکتبِ فکر کی جانب سے حال ہی میں ایک کتاب گردش کر رہی ہے، جس کا نام ''پیر کرم شاہ کی کرم فرمائیاں'' ہے اس میں مولانا پیر کرم شاہ صاحب مولانا سید احمد سعید کاظمی، مولانا محمد اشرف سیالوی اور سرکردہ دیگر بریلوی علماء، پر وہی فتوے داغے گئے ہیں جو کبھی علمائے دیوبند پر لگائے گئے تھے۔ تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو باندازِ دگر دہرا رہی ہے۔

اس کتاب میں بریلی شریف کا باقاعدہ فتویٰ ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں، ان کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ یہ فتویٰ کس بنیاد پر لگا؟ اسی کتاب میں پڑھ لیجیے کہ انہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو پاکانِ امت میں شمار کیا ہے، انہوں نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن کو معتبر تفسیر لکھا ہے۔ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے حاشیہ قرآن کا حوالہ دیا ہے۔ کہیں عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ کے تفسیری حوالے دیئے ہیں جو مولانا اشرف علی تھانوی کے معتقد تھے۔ الخ

یہ تھے وہ جرائم جن کی بنیاد پر بعض متشدد بریلوی احباب نے مولانا کرم شاہ صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا احمد سعید کاظمی کو بدبخت، ابلیس اور شیطان لکھا گیا ہے (ص ۲۱) اور یہ بھی کہ یہ خود ساختہ ''غزالی زماں'' بنے ہوئے تھے۔ پسرانِ کاظمی کو جاہل و بددیانت لکھا گیا ہے۔ مولانا محمد اشرف سیالوی کو گستاخ اور یہودیوں کا بیوپاری لکھا ہے (ص ۳۰۸) اور ایک جگہ لکھا ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب نے اپنی تفسیر بھنگ پی کر لکھی ہے (ص ۳۲۰) غرضیکہ جگہ جگہ اپنے ہی علماء کو کافر، گستاخ، کرم شاہیے، گگوشاہ، منحوس اور بہت کچھ لکھا گیا ہے...... اس سلسلہ میں ایک کتاب ''دست و گریباں'' کے نام سے منصۂ شہود پہ ہے، تقریباً ۳۴۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں بریلوی علماء کرام کے وہ فتوے اور آراء جمع کر دی گئیں ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف انہوں نے دی ہیں۔ آج ایک غیر جانبدار اور مخلص مسلمان خواہ اس کا مسلکی تعلق کوئی بھی ہو، انگشت بدنداں ہے کہ یہ اہل مذہب کیسی وحشیانہ اور غیر ذمہ دارانہ زبان استعمال کرتے ہیں؟ دوسری جانب

فرقہائے باطل مسلسل تمسخر اڑا رہے ہیں کہ جو لوگ ایک دوسرے کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، اگر انہوں نے ہمیں کافر کہہ دیا تو کونسا عجوبہ ہوگیا؟ مرزائیوں کے مبلغین اپنی تقریروں اور لٹریچر میں یہی پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ ان کے اخبارات و جرائد روزنامہ ''الفضل''، ہفت روزہ ''لاہور'' اور لاہوری فرقے کا رسالہ ''پیغام صلح'' وغیرہ میں یہ لقمہ بار بار چبایا جاتا ہے اور شیعہ فرقہ بھی اسی آڑ میں اپنا دفاع کر رہا ہے چنانچہ فتویٰ تکفیر آج اپنی اہمیت اور وزن کھو چکا ہے۔ ❶ آپ کسی منکر حدیث، گستاخ رسول، گستاخِ صحابہؓ، بلکہ کسی دہریہ کو بھی کافر کہیں گے تو عوامی ردِ عمل فوراً سامنے آجائے گا کہ آپ کے ہاں مسلمان کون ہے؟ سارے ہی کافر ہیں..... افسوس کہ بریلوی علمائے کرام نے دینِ اسلام کو ایک نشانۂ ہدف بنا کر رکھ دیا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس گناہ عظیم پر انہیں کوئی ندامت بھی نہیں ہے۔ سچ ہے جب کسی طبقے میں خوفِ آخرت اور خشیتِ الٰہی نکل جاتی ہے تو پہاڑوں جتنی نصیحتیں بھی ان کے حق میں بے سود ثابت ہوتی ہیں۔ معتدل اور انصاف پسند لوگ بہر حال ہر طبقے میں ہوتے ہیں، مگر جہلاء کی بھیڑ میں ان کی آواز کہاں سنائی دیتی ہے؟ ویسے بھی

---

❶ مولانا کرم الدین دبیرؒ اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں: افسوس کہ! ہمارے علمائے وقت نے کفر کو اتنا سستا کر دیا ہے کہ بات بات میں تکفیر کا فتویٰ، ہادئ اسلام ﷺ کا تو یہ فرمان ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر مت کہو کسی کلمہ گو مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج مت کرو۔ اگر ننانوے وجوہ کفر کی ملیں اور ایک وجہ ایمان کی تو بھی اس شخص کو مومن ہی سمجھو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے **ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا** ۔یعنی صرف رسم سلام بجالانے والے کو بھی غیر مسلم مت کہو اور ہمارے مولوی صاحب ان کی اتنی دلیری کہ کسی شخص نے ان کے فتویٰ کے برخلاف (گوان کا فتویٰ کیسا ہی غلط کیوں نہ ہو) اس نے عمل کیا کہ اس کے ہاتھ سے اسلام جاتا رہا۔ صاحبان آپ خاطر جمع رکھیں اسلام اور کفر آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ جس پر آپ راضی ہوئے اس کو اسلام کا تمغہ پہنا دیا۔ بلکہ ایک غریب جولاہا جاہل تک کو بھی قاضی مفتی کے خطاب عطا فرما دیں۔ اور جس پر آپ کی ذرہ سی خفگی ہوگئی اس کا نام مسلمانوں کے رجسٹر سے فوراً خارج کر دیا۔ ہمارے علماء وقت کو جس قدر شوق ایک مسلمان کو کافر بنانے کی ہوتی ہے اتنی ہوس ایک کافر کو مسلمان بنانے کی ہرگز نہیں ہوتی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ (ھدیۃ النجباء فی ابطال نکاح غیر الکفو بغیر رضی ... مطبوعہ سراج المطابع جہلم ۱۳۱۸ھ)

خوشبو سے زیادہ بدبو کی پہنچ ہوتی ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری (وفات نومبر ۱۹۹۹ء) بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مختلف مضامین رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہے۔ امرتسر کے ثقہ اور متبحر علمائے کرام کے حالات و واقعات پر ان کے مقالات کا ایک مجموعہ حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اس میں جگہ جگہ علماءِ اہل سنت مثلاً علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، اور حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ کا تذکرۂ خیر پورے آداب واحترام اور علاماتِ ترحم (رحمہ اللہ) کے ساتھ موجود ہے۔ خصوصاً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ جو ''شیخ الطائفہ'' ہیں یعنی اہل سنت دیوبند شیوخ کے مرشد تھے، کا ذکر جابجا موجود ہے۔ حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتب کے حوالہ جات مثلاً ''التکشف عن مہمات التصوف'' وغیرہ بھی درج ہیں (صفحہ نمبر ۱۰۵) علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور حضرت امیر شریعت کو ''مرحوم و مغفور'' (صفحہ نمبر ۱۳۳، ۱۲۴) حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ کو مشہور خوش نویس اور ''صوفی'' (صفحہ نمبر ۱۴۲) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو ''شیخ الاسلام'' مولانا اعزاز علی دیوبندی رحمہ اللہ کو ''شیخ الادب'' علامہ کشمیری رحمہ اللہ کو ''شیخ الکل'' (صفحہ نمبر ۱۸۱) اور خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے بزرگوں کا تذکرۂ خیر بھی کیا گیا ہے (صفحہ نمبر ۱۸۳)۔ (تذکرہ علماء امرتسر از حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ، مطبوعہ والضحیٰ پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور)

ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ میں امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی رحمہ اللہ لکھنوی کی کتاب ''تفسیر آیات قرآنی'' حافظ نور محمد انور مرحوم کی زیر نگرانی طبع ہوئی تو اس میں بھی حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی تقریظ میں علامہ لکھنوی کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا اور آپ کو ''امام اہل سنت'' لکھ کر مشامِ جاں کو نہال کیا۔

(تفسیر آیات قرآنی، صفحہ نمبر ۷، مطبوعہ وطن پرنٹنگ پریس، لاہور)

مولانا پیر کرم شاہ صاحب بریلوی مسلک کے جید عالم تھے، اور انہوں نے درس نظامی کی بڑی کتب علمائے اہل سنت دیوبند سے پڑھیں مثلاً ترمذی شریف اور ''سُلّم العلوم''

مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور اپنی تصانیف میں اکابرین دارالعلوم کا عزت و احترام سے ذکر کرتے ہیں۔ آج بھی بریلوی مسلک کے بڑے بڑے علماء کرام، دیوبندی مسلک کے مدارس کے فیض یافتہ ہیں۔ اور ماضی میں بھی رہے ہیں چنانچہ بیربل شریف خانقاہ کے چشم و چراغ مولانا حافظ محمد معصومؒ نے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ سے جامعہ امینیہ دہلی میں کی تھی (انوارِ مرتضوی، صفحہ نمبر ۱۶۸، مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور) مولانا احمد رضا صاحب کے خلیفہ اور جامعہ حزب الاحناف کے بانی مولانا دیدار علی شاہ صاحب بھی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے، اور اس کا اظہار انہوں نے خود کیا ہے (تحقیق المسائل، مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس ۱۳۴۵ھ) پیر جماعت علی شاہؒ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا محمد مظہرؒ سے تعلیم حاصل کی (سیرتِ امیر ملت صفحہ نمبر ۵۹) مولانا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے بھی مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی (مہر منیر ص ۸۱) علاوہ ازیں آستانۂ کرماں والا شریف (اوکاڑہ) کے سجادہ نشین مولانا پیر محمد اسمٰعیلؒ بھی دیوبند کے فاضل تھے، اور آستانہ عالیہ پپلاں ضلع میانوالی کے مولانا غلام محمود پپلانوی گو خود بریلوی تھے مگر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے اور اپنی کتاب میں انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق بہت سے تعظیمی القابات استعمال کیے ہیں، ملاحظہ ہو (حاشیہ تحفہ سلیمانی صفحہ ۱۱۵، مطبوعہ مطبع نظامی، لاہور) الغرض ان بریلوی علماء کرام کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جنہوں نے براہ راست دارالعلوم دیوبند سے یا مسلکِ دیوبند کے علماء کرام سے تعلیم حاصل کی تھی۔ دیوبندی اساتذہ سے کسبِ فیض کرنا پتہ دے رہا ہے کہ ان دونوں طبقوں میں کوئی بڑی مذہبی خلیج نہیں، محض غلط فہمیاں ڈالی گئیں تھیں، جنہیں عملی طور پر برصغیر کے عوام نے کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ راقم الحروف تحصیل منکیرہ ضلع بھکر کے مدرسہ عزیز الاسلام متصل جامع مسجد نواب سربلند خان رحمۃ اللہ علیہ میں زیرِ تعلیم رہا اور درس نظامی کی شرح وقایہ تک کی کتب استاذ محترم مولانا محمد عبداللہ واصف مدظلہ سے پڑھیں۔ اُس وقت میرے بڑے بھائی محمد اسلم شاہد گورنمنٹ کالج منکیرہ میں لیکچرار تھے اور میرا بھائی صاحب کے ہاں قیام ہوتا تھا،

بعدازاں جب ان کی پوسٹنگ لاہور ہوگئی تو میرا مستقل ٹھکانہ مدرسہ میں تھا، میرے ہمراہ بریلوی مسلک کے دو طلبہ بھی زیرِ تعلیم تھے۔ ان میں سے ایک مولوی محمد فیض صاحب نے تو ''کریما'' سے لے کر ''بخاری شریف'' تک پورے کا پورا کورس استاذ محترم مولانا محمد عبداللہ صاحب واصف سے پڑھا اور دوسرے طالب علم مولوی محمد شرافت بھی بڑی کتب پڑھتے تھے اور یہ وہاں کی بریلوی مسلک کی مرکزی مسجد کے خطیب مولانا احمد حسن کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ منکیرہ ہی کے بریلوی مفتی محمد حیات صاحب کو ہم نے کئی بار اپنے استاذ محترم سے مؤدبانہ ملتے دیکھا تھا قصہ کوتاہ یہ کہ یار لوگوں نے اہل حق کے خلاف جو تکفیری پروگرام جاری کیا تھا، خود اُنہی کے نام لیواؤں نے ان کے اس منصوبے کا دھڑن تختہ کر دیا اور یہ اہل حق کی ایک زندۂ جاوید کرامت ہے، جس کا مشاہدہ قیامت تک امت مسلمہ کرتی رہے گی۔

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، دیوبند کے چشمہ صافی پر

مصنف آفتابِ ہدایت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بنیادی طور پر فتنۂ مرزائیت و رافضیت کا قلع قمع کرنے میں پوری زندگی منہمک رہے۔ ۱۸۵۳ء میں آپ موضع ''بھیں'' چکوال میں پیدا ہوئے۔ آپ اعوان فیملی سے تعلق رکھتے تھے، والد گرامی کا نام ''صدرالدین'' اور دادا کا نام ''نظام الدین'' تھا۔ اپنے چچازاد بھائی اور بہنوئی مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کے ہمراہ مختلف اساتذہ سے علوم کے جام پینے کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ مدرسہ مظاہر العلوم سے فراغت پانے والے طلبہ کی پہلی کھیپ میں تیرہویں نمبر پر آپ کا اسم گرامی درج ہے۔ فراغت کے بعد وطن واپس لوٹے اور خدمات دینیہ میں مشغول ہوگئے۔ ہندوستان کے معاصر علماء وصوفیاء سے گہرے روابط رکھتے تھے۔ خانقاہ گولڑہ شریف، چورہ شریف، سیال شریف اور علی پور (سیالکوٹ) کے بزرگوں کے علاوہ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم

سے بھی مخلصانہ تعلقات تھے۔ جب اکابرین دیوبند کے خلاف تکفیر کی زہریلی ہوا چلی تو عدمِ معلومات کی بناء پر آپ رحمہ اللہ بھی غلط فہمیوں کا شکار ہوگئے تھے۔ اس زمانہ میں جہلم اور چکوال کے علاقہ جات میں کوئی ایسا مضبوط ذریعہ نہیں تھا جس کا سہارا لے کر آپ مزید کسی تحقیق میں جاتے اور نہ ہی رفض و مرزائیت کے تعاقب نے آپ کو فرصت دی۔ اہل تشیع کے ساتھ مناظروں میں مولانا احمد الدین واعظ (قصبہ دھرابی، ضلع چکوال، متوفی ۱۹۱۴ء) اور مولانا محمود احمد گنجوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۲۶ء) شاگردِ رشید مولانا علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

امام اہل سنت علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کو خراجِ عقیدت اور ان پر اعتماد

آفتابِ ہدایت کی اشاعت کے بعد امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمہ اللہ لکھنوی نے اپنے رسالہ ''النجم'' میں اس کتاب پر شاندار تبصرہ کیا تھا اور ایک جگہ حاشیہ میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کا نہایت عقیدت اور احترام سے تذکرہ بھی کیا۔ علاوہ ازیں ۱۹۱۸ء میں چکوال کے اندر ایک معرکۂ آراء مناظرہ مولانا دبیر کی زیرِنگرانی منعقد ہوا تھا۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اس مناظرے میں علامہ لکھنوی کو دعوت دی تھی۔ اس مناظرہ کی مکمل روداد مع ثبوت عکسی خطوط آپ راقم الحروف کی کتاب ''سوانح مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ چونکہ ایک قادر الکلام اور بے مثال شاعر بھی تھے۔ چنانچہ علامہ لکھنوی کی آمد پر آپ نے ایک منظوم استقبالیہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ نظم بھی مولانا دبیر رحمہ اللہ کی سوانح کے تیسرے ایڈیشن میں موجود ہے۔ اور اس کے چند اشعار آگے بھی آرہے ہیں۔

مناظرہ سلانوالی (منعقدہ ۱۹۳۶ء)

سلانوالی ضلع سرگودھا میں مسئلہ علم غیب پر ایک مناظرہ منعقد ہوا تھا، جس میں بریلوی مناظر مولانا حشمت علی خان رضوی اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ روبرو تھے۔ تین دن جاری رہنے والے اس مناظرے نے فکری و اعتقادی طور پر کس قدر ہلچل مچائی؟ اور مولانا

محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے بحرِ علم کی تلاطم خیز موجیں تشکیکات کے تنکے اکٹھے کر کے کس طرح ساحل پہ پھینکتی گئیں؟ یہ تاریخ کی آواز ہے اور تاریخ کا فیصلہ ہے۔ کھلی آنکھوں سے چھینک تو ماری جا سکتی ہے۔ مگر علماء اہل سنت دیو بند کی اس علمی فتح کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس مناظرہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بریلوی حضرات کی جانب سے صدر مناظر قرار پائے تھے۔ مگر مناظرے کے اختتام پر صدر مناظر کا ضمیر فیصلہ دے چکا تھا کہ جناب حشمت صاحب ''پھکڑ باز'' ہیں اور مولانا نعمانی متانت وعلم کا مُجسمہ! مولانا قاضی شمس الدین درویش (ہری پور والے) اس وقت ۱۸ سال کے تھے اور ان کا اپنا بیان ہے کہ میرا جھکاؤ بریلویت کی طرف تھا، چنانچہ میں اپنے استاذ محترم کے ہمراہ اس مناظرہ میں شریک ہوا اور بریلوی اسٹیج پر جا کر بیٹھ گیا۔ مولانا قاضی قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ بھی اسٹیج پر موجود تھے، جب کبھی مولانا حشمت علی خان گفتگو فرماتے تو مولانا قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ میرے استاذ محترم سے اپنی علاقائی زبان میں کہتے ''ویکھ کھاں کیا چبل مریندا پیا اے'' یعنی دیکھو کیسی احمقانہ باتیں کر رہا ہے۔ اس کے بعد مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنے لڑکے مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو خط دے کر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ میرے لختِ جگر کو آپ رحمہ اللہ اپنے پاس دورۂ حدیث شریف کرنے کا موقع دیں۔ (فوز المقال فی خلفاءِ پیر سیال، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۵۳۶، مطبوعہ کراچی، مکتوب قاضی شمس الدین صاحب بنام حاجی مرید احمد چشتی)

چنانچہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ دار العلوم دیو بند تشریف لے گئے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے، بعد ازاں خلعتِ خلافت سے بھی نوازے گئے اور واپس آ کر جب اپنے والد گرامی کو اولیائے دیو بند کے حالات سنائے تو مولانا دبیر رحمہ اللہ فرطِ جذبات سے رو پڑتے تھے، پھر یہاں تک کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کو خط بھی لکھا کہ آپ مجھے بیعت فرمالیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں ہے، آپ اپنے سابقہ شیخ کے اوراد پڑھتے رہیں، راقم الحروف نے اپنی کتاب ''احوالِ دبیر'' (طبع سوم) میں ''چورہ شریف سے فیضانِ دیو بند'' تک کے

زیرِ عنوان مفصل احوال قلم بند کر دیئے ہیں، مراجعت فرمالی جائے۔ ۱۹۳۶ء کے بعد مولانا دبیر رحمہ اللہ بعض گونا گوں مسائل کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔ علالت اور کبرسنی اس پر مستزاد تھی، اُن مسائل کی تفصیل کا یہاں موضع نہیں ہے۔ جولائی ۱۹۴۶ء میں آپ کی رحلت ہوئی، آبائی گاؤں "بھیں" میں مدفون ہوئے۔ تب سے اب تک مولانا دبیر رحمہ اللہ کا پورے کا پورا خاندان علماء اہل سنت دیوبند کے نہ صرف مسلک پر ہے بلکہ اس فکر کی اتھارٹی کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور یہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی دین اسلام کے لیے مخلصانہ کاوشوں، حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی انتھک محنتوں اور اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی نگاہوں کا ثمرہ ہے۔

بریلوی دوستوں کا اعتراض، اور حقائق سے کھلا اغماض

بریلوی مکتبِ فکر کے کچھ دوستوں نے مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے متعلق ایک مقدمہ ہمارے خلاف پیش کیا ہے۔ معترض احباب کا موقف یہ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کو دھکا شاہی سے دیوبندی صفوں میں کھڑا کیا جا رہا ہے، جب کہ انہوں نے اپنا مسلک تبدیل نہیں کیا تھا، اس ضمن میں ہم اپنے ان بھائیوں سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

اولاً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو دنیا سے گئے ہوئے اس وقت ۶۷ سال ہو رہے ہیں، اس طویل عرصے میں آپ نے اتنی شدومد سے اپنا مقدمہ پیش کیوں نہیں کیا؟ اس عرصے میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی حیات وخدمات کا توانا اور معقول تذکرہ جب بھی ہوا ہے، اہل سنت دیوبند مکتبۂ فکر کی جانب سے ہوا ہے۔

ثانیاً: اب تک ان کی کتابیں، خصوصاً آفتاب ہدایت اُن کے صاحبزادہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ شائع کرتے رہے اور اس کے علاوہ دیگر کتب بھی ہم ہی نے شائع کروائیں، مگر بریلوی فکر کے کسی عالم، کسی مکتبہ یا مدرسہ کی جانب سے ان کی کتب کی اشاعت نہیں ہوئی؟

ثالثاً: جب اہل تشیع نے آفتاب ہدایت کا بزعم خود جواب لکھا تو اس کے جواب

الجواب میں بھی علماء دیوبند نے میدان میں اتر کر مولانا دبیر رحمہ اللہ کا فکری دفاع کیا، شیعہ مصنف محمد حسین ڈھکو کی کتاب ''تجلیات صداقت'' کا ایک جواب مولانا دبیر رحمہ اللہ کے لختِ جگر مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ''اجمالی صداقت'' کے نام سے اور دوسرا جواب سلطانُ العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے ''تجلیاتِ آفتاب'' کے نام سے تفصیلاً پیش کیا ہے۔ مگر بریلوی علماء نے اس کو اپنا مذہبی فریضہ کیوں نہ سمجھا؟ کسی ''سگِ بارگاہ رضویت'' نے اب تک اپنے قلم کو جنبش دے کر مولانا دبیر رحمہ اللہ کی ذات اور مذہبی نظریات پر اٹھنے والے اعتراضات کا جواب کیوں نہیں دیا؟

رابعاً: مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو دارالعلوم دیوبند خود بھیجا تھا اور حضرت اقدس قاضی صاحب کی فراغت کے بعد مولانا دبیر سات، آٹھ سال حیات رہے۔ اس دوران آپ رحمہ اللہ نے علماء دیوبند پر کوئی نکیر نہ کی بلکہ ان کی عظمت کے معترف رہے۔ اگر آپ کے دعویٰ کے مطابق مولانا دبیر اس وقت بھی بریلوی مسلک کے غالی ہی تھے تو اپنی اولاد کو علماء دیوبند کی گود میں ڈال کر گویا انہوں نے آپ کے مسلک کے حصے بخرے کر کے رکھ دیئے۔ اب آپ کا ان کو اپنے کھاتے میں ڈالنا کیا آپ کی نظریاتی خودکشی نہیں ہے؟

خامساً: ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مناظرہ سلانوالی (منعقدہ ۱۹۳۶ء) کے بعد ہی مولانا دبیر رحمہ اللہ میں ذوقی تبدیلی آئی تھی، اور اس کے بعد ہی آپ نے فرزند کو دیوبند بھیجا، اس کے بعد شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی سے مکاتبت رہی، اور اس کے بعد ہی انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کی درخواست کی، ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک کے دس سالوں میں اگر انہوں نے علماء اہل سنت، دیوبند کے خلاف کوئی تقریر، تحریر یا رائے دی ہو تو پیش کیجیے؟ اور ان دس سالوں میں اگر انہوں نے اپنے فاضل دیوبند بیٹے کی سرپرستی نہ کی ہو تو ثبوت پیش کیجیے؟ حتیٰ کہ ۱۹۴۰ء میں موضع بھیں کے اندر ہونے والے ایک تاریخی مناظرہ (جو حرمتِ مصاہرہ کے موضوع پر تھا) میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی جانب سے متکلم حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تھے اور مولانا دبیر رحمہ اللہ چارپائی پر بیٹھ کر اپنے لختِ جگر کی علمی راہنمائی فرماتے رہے، اس کی مکمل رُوداد مع تاریخی ریکارڈ ہم نے ''احوالِ

دبیر رحمہ اللہ'' (طبع سوم) میں پیش کردی ہے اور مولانا غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ نے فتح کے اشتہار میں فخریہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے بیٹے کو ''فاضل دیوبند'' تحریر کیا تھا۔ اگر اب بھی سابقہ نظریات تھے تو دار العلوم کی نسبت پر فخر کیوں کیا جارہا تھا؟

سادساً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا خاندان موضع ''بھیں'' میں پھیلا ہوا ہے، چار مساجد مولانا دبیر رحمہ اللہ کی زیرِ نگرانی تھیں، تب سے اب تک ان مساجد کا انتظام اور خاندان دبیر رحمہ اللہ کا ہر ایک فرد مکتبِ دیوبند کا پابند چلا آرہا ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ جیسا عالم اگر پورے ہندوستان میں نام پیدا کرنے کے باوجود اپنے گاؤں میں کوئی بریلوی پیدا نہ کرسکا تو یہ کیا آپ کی فکری موت نہیں ہے؟ جس کا لاشہ اب تک بے گوروکفن تاریخ کے تختے پر دھرا ہے۔

سابعاً: ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کو ابتداء میں اگرچہ علماء دیوبند کے متعلق شکوک تھے، مگر وہ اس معنی میں غالی بریلوی نہیں تھے، جو آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ دار العلوم عزیزیہ بھیرہ، خانقاہ سیال شریف، چُورہ شریف اور گولڑہ شریف والے معتدل بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا❶ اور ساری زندگی ان کا اُٹھنا بیٹھنا انہی کے ساتھ رہا۔ چونکہ تحریر کے آدمی تھے اور فنِ مناظرہ وخطابت میں ان کی شہرت تھی، اس لیے ''الصوارم الہندیہ'' وغیرہ پر انہوں نے محض ہوا کا رُخ دیکھ کر رائے درج کردی اور حقیقتِ حال معلوم ہونے پر پھر انہوں نے اپنے فرزند کو بزرگانِ دیوبند کے سپرد کرکے اپنی سابقہ رائے سے عملاً رجوع کرلیا تھا۔

ثامناً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا منہج فکر، اسلوبِ تحریر اور پیمانۂ متانت پتہ دیتا ہے کہ وہ فطرتاً علمائے اہل سنت دیوبند کے ہم مزاج تھے کیونکہ بشمول مولانا احمد رضا خان صاحب

---

❶ حال ہی میں گولڑہ شریف کی سالانہ خاتم النبیین ﷺ کانفرنس منعقد ہوئی ہے۔ جس میں صاحبزادہ پیر معین الدین گیلانی نے خصوصی طور پر قائد جمعیت علمائے اسلام مولانا فضل الرحمٰن کو مدعو کیا ہے اس کے علاوہ بھی جید دیوبندی سنی علماء کرام نے شرکت کی، اور اس کانفرنس کی تفصیل مع تصاویر تمام قومی اخباروں میں شائع ہوچکی ہیں، (۲۶، اگست ۲۰۱۳ء) گویا مولانا احمد رضا خان کے فتویٰ تکفیر سے اظہار برأت آج بھی جاری ہے۔ یہ امت اپنی فطرت میں واقعتاً کتنی معتدل ثابت ہوئی ہے۔ (ع۔س)

(معذرت کے ساتھ) جملہ بریلوی علماء کرام اپنے حریفوں کے خلاف انتہائی گری ہوئی زبان اور غیر محتاط لب و لہجہ استعمال کرتے تھے۔ اور اس پر کوئی حوالہ پیش کرنا بلاوجہ کی طوالت ہے کیونکہ بریلوی بھائی بخوبی جانتے ہیں کہ فتاویٰ رضویہ یا سبحان السبوح وغیرہ میں خان صاحب کا معیار تکلم کیا ہے؟ چلیں نہ چاہتے ہوئے بھی بطور نمونہ ہم چند عبارتیں پیش کر دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق لکھتے ہیں:

''واجب ہے کہ تمہارا خدا بھی زنا کرا سکے ورنہ دیو بند میں چکلہ والی فاحشات اس پر قہقہے اڑائیں گی کہ نکھٹو تو ہمارے برابر بھی نہ ہو سکا۔ کاہے کو خدائی کا دم مارتا ہے؟ اب آپ کے خدا میں فرج بھی ضرور ہوئی، ورنہ زنا کاہے میں کرا سکے گا؟ تعجب ہے کہ خدا کے لیے آلہ مردمی ہو تو اس کے مقابل عورت کہاں سے آئے گی، اندامِ نہانی ہو تو اس کے لائق اسے مرد کہاں سے مل سکے گا؟ اس کی ہر چیز نامحدود و بے اختیار ہو گی یوں تو ایک ''خدائن'' ماننی پڑے گی جو اس کی وسعت رکھے اور ایک بڑا خدا ماننا ہوگا جو اس کی دوسری ہوس بھر سکے۔'' (سبحان السبوح، ص ۱۴۲)

اب فرمائیے کیا یہ انداز بیان کسی عالم دین کے شایانِ شان ہے؟ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے اگر کہہ دیا کہ ''خدا کے بارے میں اب تک یہ زبان کسی خبیث سے خبیث کنجر نے بھی استعمال نہ کی ہوگی'' تو کیا غلط کہا[1]؟ اور یہ اُن کی گویا ''علمی'' زبان

---

[1] ایک بریلوی رائٹر سید ظہیر الدین خان نے بجا شکوہ کیا ہے کہ ''سبحان السبوح'' اعلیٰ حضرت کی مشہور و معروف تصنیف ہے لیکن اس کی عبارتیں اعلیٰ حضرت کی شان کے مطابق نہیں ہیں۔ جدید نسل کو اگر ان کا معتقد بنانا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ''سبحان السبوح'' کتاب کو اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کرنا بند کر دیں، کیونکہ اس کی عبارتیں وہی واہانوی اور سعادت حسن منٹو سے بھی زیادہ فحش ہیں (روحِ اعلیٰ حضرت کی فریاد، صفحہ نمبر ۷) مزید لکھتے ہیں ''بہت ضروری ہے کہ ''سبحان السبوح'' نامی کتاب کے بارے میں تمام علمائے کرام متفقہ طور پر یہ اعلان کر دیں کہ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی نہیں ہے، اس کتاب کی اشاعت بند کر دی جائے (ص ۸)

نوٹ:...... اس کتاب میں یہ انکشاف بھی موجود ہے کہ خان صاحب کی کتاب ''حدائق بخشش'' کا حصہ سوم ''خاموشی سے نابود کر دیا گیا'' اور ایک نئی کتاب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مدح میں لکھ کر جھوٹ موٹ اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کر دینے کی رائے بھی دی گئی ہے، تاکہ توہینِ ام المومنین کا بوجھ اعلیٰ حضرت کی قبر سے ہٹایا جا سکے۔ (ع۔س)

ہے۔ دگرنہ نجی زندگی کی گفتگو تو آپ بہت فحش فرماتے تھے۔ جیسا کہ مولانا ارشد القادری (ہندوستانی بریلوی مصنف) نے لکھا ہے کہ "مجبوراً اسی زبان میں بات کرنی پڑی جو زبان وہ اپنی نجی گفتگو میں استعمال کرتے تھے۔ ("زیروزبر" مطبوعہ لاہور، صفحہ نمبر ۲۸۸)

ایک اور بریلوی مولانا صاحب کی بدتہذیبی

کسی اہل حدیث عالم نے اعتراض کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا نام آنے پر بجائے انگوٹھوں کے، اُن ہونٹوں کو چُومیں جن سے یہ نام نکلتا ہے، تو جواب میں ایک بریلوی عالم نے جو جواب دیا، وہ مدرسہ حزب الاحناف کے ایک مفتی صاحب کی زبان سے سُنیئے۔

مولانا غلام حسن قادری لکھتے ہیں:

"قاری صاحب نے اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے فرمایا پھر ہمیں اجازت ہونی چاہیے کہ جب "غیر مقلدات" (یعنی عورتوں) کے ہونٹوں سے نام پاک نکلے تو انہیں بھی تقبیل کریں" (یعنی چُوم لیں)

(تقریری نکات، صفحہ نمبر ۵۸۹، کرمانوالہ بک شاپ، دربار مارکیٹ لاہور)

مولانا عنایت اللہ سانگلوی کی بدکلامی

کسی مناظرہ میں مولانا عنایت اللہ سانگلوی سے کہا گیا کہ آپ کو شیرِ اہلسنت کہا جاتا ہے اور شیر کی تو دُم ہوتی ہے۔ آپ کی دُم کہاں ہے؟ تو سانگلوی صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ شیر کی بہادری والی صفت کی بناء پر مجھے شیر کہا جاتا ہے، نہ کہ میں چار ٹانگوں، ایک دُم والا اور چیرنے پھاڑنے والا جانور ہوں...... بلکہ سانگلوی صاحب نے جواب میں کیا کہا؟ قبلہ مفتی صاحب سے ہی سُنیئے۔ فرمایا:

"دُم تو تھی، مگر منبروں پر بیٹھ کر بجائے پیچھے کے............ شوق ہو تو دکھا دوں؟" (تقریری نکات، صفحہ نمبر ۵۷۹)

کیا تہذیب وشرافت یہاں آ کر دَم توڑ نہیں جاتی؟ جس فکر کے ایک عالمی "مبلغ" کہیں کہ میری دُم "آگے" ہے۔ تمہیں شوق ہو تو دکھاؤں؟ اس کے عام طبقے کا اخلاقی

معیار کیا ہوگا؟

پیارے قارئین! سچ بتایئے گا، یہ زبان کون استعمال کرتا ہے؟ کیا اہلِ علم کو اتنا گھٹیاں لہجہ زیبا ہے؟ اور یہ مولانا عنایت اللہ سانگلوی وہی ہیں جن کی خوراک کا یہ عالم تھا کہ ایک جلسے میں داعی جلسہ شیخ ظہور احمد نے جب مشروب کی بوتل پیش کی تو فرمایا:

"اوئے شیخا! پورا ڈالا اٹھا کے لے آ، وہ ڈالا لے آیا، آپ چھ چھ بوتلوں میں چھ چھ پائپ لگاتے جاتے اور غٹر غٹر پیتے جاتے۔ جب پورا ڈالا ختم ہوگیا تو فرمایا کیا پکایا ہے؟ شیخ صاحب چھوٹے پائے بہت لذیذ پکاتے تھے۔ چنانچہ اس دن بھی انہوں نے پورا پتیلہ بلکہ بہت بڑا پتیل بھر کر پائے پکائے اور ایک ڈونگے میں لے کر حاضر ہوگئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا "پورا پتیلہ لے کے آ۔ وہ لے آیا تو فرمایا ہڈیاں علیحدہ کرو، شوربا علیحدہ اور گوشت علیحدہ کر دو اس نے آدھا گھنٹہ ساتھ ملازم لگا کر تعمیلِ ارشاد کی، تو حضرت نے گوشت کھا لیا اور شوربا پی لیا اور فرمایا "شیخ جی کھانا تقریر کے بعد کھائیں گے، ان شاء اللہ

(ایضاً، صفحہ نمبر ۵۸۹)

مولانا سانگلوی صاحب کو بجائے شیر اہل سنت کہنے کے بریلوی بھائی اگر "فیلِ سانگلا" لکھا کریں تو زیادہ اچھا لگے گا۔

ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں والے کی بدتہذیبی

حضرت ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں والے ایک بچے کے کان میں اذان دے کر جب نذرانہ جیب میں ڈالے گھر کو لوٹ رہے تھے، تو ایک نائی نے کہا:

"مولوی لوگ تے کن دی کمائی کھاندے نے" (یعنی مولوی لوگ کانوں میں اذان دے کر کمائی کرتے ہیں) وہ تو بے چارا کوئی ان پڑھ "حجام" تھا۔ مگر آگے سے "ابوالنور" نے جو جواب دیا، ذرا پڑھیے۔ فرمایا:

"اسیں کن دی کمائی کھانے آں تے تُسیں .... اشارا ختنوں کی طرف تھا۔" (ایضاً، صفحہ نمبر ۵۸۶)

قارئین کرام! جہاں ''ابوالنور'' لوگوں کا یہ طرزِ کلام ہو، وہاں ''ابن النور'' جیسوں کا حال کیا ہوگا؟

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اب مولانا دبیر سے ان حضرات کا موازنہ کیجیے!

کہاں بریلوی ''اہل علم'' کا اندازِ بیان اور کہاں ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی علمی، تحقیقی اور شستگی و شائستگی سے لبالب علمی خدمات، کیا مولانا احمد رضا خان صاحب سے لے کر زمانۂ حال تک کے بریلوی علماء کرام کا لب ولہجہ اور مولانا دبیر کی سنجیدگی ومتانت میں ذرہ برابر بھی کوئی مماثلت پائی جاتی ہے؟ آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حکیم الامت مرشد اعلیٰ حضرت تھانوی رحمہ اللہ، امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ، علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ، مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ، یا پھر مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی کتب پڑھیں، اور ساتھ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی تحریروں پہ نگاہ ڈالیں تو مولانا دبیر رحمہ اللہ انہی لوگوں کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے، نہ کہ پہلے ذکر کردہ ''بزرگوں'' میں۔

مولانا دبیر رحمہ اللہ کا یہ منہج، فکری لیول، زبان و بیان کی متانت اور اعلیٰ ظرفی و بلاغت خود بخود ان کے مسلک کو متعین کر رہی ہے۔ اس دریا کی اُچھلتی موجوں پر غور کیجیے، یہ کس سمندر میں جا کر گر رہا ہے؟ یہ لعلِ بدخشاں کس کی میراث میں چلا آ رہا ہے؟ انگاروں کا کاروبار کرنے والے بلاوجہ جواہرات پہ نگاہیں لگا بیٹھے ہیں۔ مگر اربابِ دانش کیا نتیجہ نہیں نکال چکے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ذہن کی لرزشِ مستانہ ان کو علمائے اہل سنت دیوبند کے آستانے پر لا چکی تھی؟

تاسعاً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے ۱۹۱۱ء میں تلہ گنگ میں اہل تشیع کے ساتھ ہونے والے مناظرہ میں علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا محمود گنجوی رحمہ اللہ کے متعلق اپنے منظوم کلام میں کہا تھا۔

آئے جو اس علاقہ میں محمود گنجوی
جو عالمِ اجل ہیں، فاضل ہیں المعی
واعظ ہیں خوش کلام فصیح البیان ہیں
خوش خلق وخوش خصال ہیں،شیریں زبان ہیں
یاں پر جو ان کے وعظ کا بس غلغلہ ہوا
ہر سو سے آفریں کی آنے لگی صدا

نیز مولانا دبیر رحمۃ اللہ روداد مناظرہ میں ان کے متعلق فرماتے ہیں:
"حُسنِ اتفاق سے اہل السنۃ والجماعۃ کے ایک نامور فاضل جناب مولوی محمد محمود صاحب ساکن گنجہ، ضلع گجرات پہلے ہی سے یہاں رونق افروز تھے جو عالم متبحر ہونے کے علاوہ بڑے بھاری واعظ خوش بیان ہیں اور فنِ مناظرہ میں بھی دست گاہِ کامل رکھتے ہیں نیز مولوی احمد الدین صاحب واعظ دھرابی تحصیل چکوال مصنف کتاب "مجمع الاوصاف" بھی مولوی صاحب موصوف کے ہمراہ موجود تھے مسلمانان اہل السنت والجماعت نے مولوی صاحبان کو تاریخ مباحثہ تک وہاں ٹھہرنے کی تکلیف دی۔" (تازیانہ سنت ردِ اہل رفض وبدعت، صفحہ نمبر ۳۷، طبع جدید- ناشر قاضی محمد کرم الدین دبیر اکیڈمی، پاکستان)

اور ۱۹۱۸ء کے مناظرہ میں امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ کی چکوال آمد پر (جو مولانا دبیر رحمۃ اللہ کی دعوت پر تھی) مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے ایک استقبالیہ قصیدہ پیش کیا تھا، جس میں یہ اشعار موجود ہیں۔

کون صاحب آج اس محفل کے ہیں صدرِ بزم
چہرۂ پُرانوار کس کا شمع محفل ہے یہاں
عبدالشکور فاضل لکھنوی ہیں بعا مئی بارگاہ
جو ہیں اہل سنت کا اثاثۂ بے گماں
ابر رحمت آپ ہیں، یا آپ ہیں دریاءِ فیض
ہو رہی سیراب مخلوقِ خدا ہے ہر زماں

(ذاتی دیوان مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ مملوکہ راقم الحروف)

(مکمل نظم مطبوعہ روزنامہ ''البشیر'' اٹاوہ، ۳ ستمبر ۱۹۱۸ء) (زیر نگرانی مولوی بشیر الدین صاحب، وفات ۱۲ جون ۱۹۵۶ء، بعمر ایک سو ایک سال)

ہمارا سوال یہ ہے کہ یہاں مولانا دبیر ﷫ نے تین علماء دیوبند یعنی

① مولانا احمد الدین ﷫ دھرابی والے (وفات ۱۹۱۴ء)

② مولانا محمود گنجوی ﷫ (وفات ۱۹۲۶ء)

③ علامہ عبد الشکور لکھنوی ﷫ (وفات ۱۹۶۲ء)

کو ''اہل سنت'' کے ذمہ دار اور قابل فخر علماء کے طور پر پیش کیا ہے، معلوم ہوا مولانا دبیر کا ان حضرات سے تعصب اور غلو کی حد تک کوئی اختلاف نہ تھا، وگرنہ وہ انہیں اہل سنت کے زمرے میں شامل کیوں کرتے؟ یہ حقیقت چھک چھک کر بتا رہی ہے کہ یہ سب حضرات مذہب اہل السنۃ والجماعت کا قیمتی سرمایہ تھے، اور جو لوگ ان میں سے کسی کو بھی ایک خول میں بند دیکھنا چاہتے ہیں، وہ چھوٹے دماغ سے کام لے رہے ہیں۔

عاشرًا: مولانا دبیر ﷫ نے مولانا حشمت علی خان کی ''الصوارم الہندیہ'' پر علماء دیوبند کے خلاف دستخط کیے پھر اسی مولانا حشمت کو مولانا دبیر ﷫ نے مناظرہ سلانوالی میں ''پھکڑ باز'' اور بقول مولانا شمس الدین درویش کہ خواجہ قمر الدین سیالوی ﷫ نے اپنی علاقائی زبان میں ''چبل'' ❶ قرار دے دیا تھا (بحوالہ فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، ج ۴، ص ۵۳۶)

کیا اس سے مستفتی کی ذہنی وفکری حیثیت مشکوک نہیں ہوگئی؟ یہ حقائق بتا رہے ہیں کہ مولانا دبیر ﷫ نے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر جو رائے دی تھی ان حضرات کی اصلیت اور نیت سامنے آجانے کے بعد انہوں نے اپنی یادداشت سے یہ منفی رائے کھرچ کر پھینک دی تھی۔ تلك عشرة كاملة

مناظرہ سلانوالی میں حضرت غوث اعظم کا مدد کو پہنچنا

ہمارے دوست یہ بھی کہتے ہیں کہ مناظرہ سلانوالی میں مولانا حشمت علی نے ایک

❶ پنجاب کے اکثر علاقوں میں یہ جملہ احمق اور بیوقوف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

کتاب کا حوالہ دیا، اور جب مخالف (مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ) نے کتاب طلب کی تو تلاش کے باوجود نہ مل سکی، مولانا حشمت علی خان نے کہا کہ کتاب لانی یاد نہیں رہی۔ اس پر مخالف ڈٹ گئے اور کتاب کا مطالبہ کیا" آخر شیر بیشہ اہل سنت نے امداد کن امداد کن کا وظیفہ پڑھا اور اچانک چونک کر بغل سے کتاب نکالی اور مخالف کے حوالے کر دی۔"

(تقریر نکات، صفحہ نمبر ۵۸۳، کرمانوالہ بک شاپ داتا دربار مارکیٹ، لاہور)

یہ کرامت سے بڑھ کر لطیفہ، اور لطیفے سے بڑھ کر "کثیفہ" ہے۔ اس لیے کہ مولانا حشمت علی خان اپنے علم اور کرامتی کرشموں سے مولانا دبیر رحمہ اللہ کو تو سنبھال نہ سکے، مگر کتاب اور وہ بھی "بغل" سے نکال کر دکھا دی۔ یقیناً اس کرامت پر تو حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ بھی ششدر رہ گئے ہوں گے اور اگر کرامتوں پر ہی فیصلے کرنے ہیں تو پھر مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے تبحرِ علمی و ذکاوتِ فہمی پر مبنی حکمت آمیز ولولہ خیز، دل آویز اور فکر انگیز گفتگو نے ابوالفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ جیسے مدقق عالم کو علماءِ اہل سنت دیوبند کے مزید قریب ہونے پر مجبور کر دیا، اتنا قریب کہ مولانا دبیر نے جگر کا ٹکڑا اُٹھا کر حضرت مدنی رحمہ اللہ کی مٹھی میں دے دیا اور خود بھی اُن سے متمنیٔ بیعت ہوئے تو فرمایئے کس کی کرامت نے نقشے بدل دیئے؟ ہکلاتی زبانیں اور تھتھلاتے قلم اب تو رُک جانے چاہئیں۔ کیونکہ تاویلاتِ رکیکہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش ہمیشہ ناکام رہتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کیا خوب کہہ گئے:

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مُریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد

(ضربِ کلیم)

ایک بریلوی بھائی کے نثری پارے، طنزیہ چٹخارے اور چند ذہنی اختلالے

محترم میثم عباس رضوی صاحب ہم پر بہت زیادہ شفیق ہیں اور آئے روز کوئی نہ کوئی

نوازش کرتے رہتے ہیں۔ آفتاب ہدایت کی عکسی اشاعت انہوں نے بھی کرائی ہے اور یہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی زندہ کرامت ہے۔ کیونکہ آپ اہل سنت کی باہمی چپقلش سے نالاں اور ان کے اتحاد کے ہمیشہ خواہاں رہتے تھے۔ الحمد للہ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ ایک فاضلِ دیوبند عالم دین کے فاضل سہارنپور باپ کی علمی کاوش دیر سے ہی سہی، بریلوی حلقوں میں آنا شروع ہوگئی ہے۔ ہم پُرامید ہیں کہ بہت جلد شعور بیدار ہوگا، ہمارے اکابر نے سچ کہا تھا کہ جہالتوں کا علاج مقابلے سے نہیں، علم سے ہوتا ہے۔ انشاء اللہ رفض و بدعت نے جس طرح علمی میدان میں مار کھائی ہے اب سیاسی اور معاشرتی زندگی میں بھی ''سالانہ'' کی بجائے ''روزانہ'' ماتم کرے گی۔

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

البتہ میثم عباس صاحب نے جولب ولہجہ اختیار کیا ہے وہ اگرچہ مولانا احمد رضا خان، مولانا عمر اچھروی، مولانا عنایت اللہ سانگلوی اور ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں جیسا ہی ہے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ آج کے دوست اپنے بڑوں کی اچھی عادات (اگر ہیں تو) کو اپنائیں اور غیر شرعی وغیر اخلاقی اطوار سے کنارا کش ہوجائیں۔ میرے اور میرے اکابر کے متعلق بھائی میثم عباس صاحب نے کچھ اعتراضات اور کچھ مغلظات درج کی ہیں۔ مغلظات تو ان کے مقالہ ''مسلک دبیر پر محرفین کے شبہات کا ازالہ'' میں ملاحظہ کر لی جائیں۔ جگہ جگہ مجھے اور میرے اکابرین کو ''کذاب'' جھوٹے، خائن، بددیانت، کوّا یانی ہضم کرنے والے، لعنت کا طوق گلے میں ڈالنے والے لکھا ہے۔ اور اسی طرح ''کلمہ حق'' نامی رسالوں کے شمارہ نمبر ۹ بابت ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء اور شمارہ نمبر ۱۱ بابت جولائی ۲۰۱۳ء میں بھی ایسے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ ان گالیوں کا جواب تو ہمارے پاس نہیں ہے اور معقول اعتراضات کے جوابات ہم نے پہلے بھی کافی حد تک اپنی کتاب ''احوال دبیر'' اور دیگر مقامات و مقدمات میں دے دیئے ہیں۔ چند مزید شبہات جوان کی جانب سے پیدا کیے گئے ہیں، اُن پر یہاں بحث پیش قارئین ہے۔

① میثم صاحب کے ان اعتراضات کا اہلِ فہم کے ہاں تو کوئی وزن نہیں ہے۔ مثلاً ان کا بڑا شکوہ اور اعتراض یہ ہے کہ ہم نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی تصانیف سے لفظِ ''وہابی'' خارج کر دیا ہے..... گویا مولانا دبیر رحمہ اللہ نے دیوبندیوں کو جب ''وہابی'' لکھا تو پھر انہوں نے مسلک کیسے بدلا؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم ابھی اس پر مفصل بحث کر آئے ہیں کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی علمائے دیوبند سے مستقل قربت مناظرہ سلانوالی منعقدہ ۱۹۳۶ء میں ہوئی ہے اور ان کی جملہ تصانیف پہلے کی ہیں۔ ۱۹۳۶ء کے بعد مولانا کرم الدین کی نہ تو کوئی نئی تصنیف آئی ہے، نہ کسی رسالہ میں ان کا مضمون شائع ہوا اور نہ ہی پہلی مطبوعہ کتب کے نئے اڈیشن شائع کرنے کا انہیں موقع ملا۔ یکے بعد دیگرے کئی عوارض، کبرسنی، بڑے بیٹے غازی منظور حسین رحمہ اللہ کے ہاتھوں ایس ڈی او ''کھیم چند'' کا قتل بعد ازاں غازی صاحب کی شہادت پھر حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی طویل اسارت، انگریز انتظامیہ کی جانب سے مولانا دبیر کی املاک کی ضبطی اور راولپنڈی عدالت کے ذریعہ املاک کی واپسی کی کچھ کامیاب اور کچھ ناکام کوششیں، اور اس قسم کی مصروفیات و پریشانیوں نے مولانا دبیر کو ذہنی یکسوئی اور موقع کہاں دیا تھا کہ وہ مزید علمی کام جاری رکھ سکتے۔ اس کے باوجود بھی اس مردِ قلندر کی جرأت اور علمی شغف ملاحظہ کریں کہ غازی منظور حسین رحمہ اللہ کی ''سوانح عمری'' لکھ کر کاتب سے کتابت کروانے بذاتِ خود حافظ آباد کا سفر کیا اور یہی سفر، سفرِ آخرت کا ذریعہ ثابت ہوا، اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔
اس کے علاوہ ہمارا دعویٰ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنی تحریروں میں جہاں کہیں لفظ ''وہابی'' لکھا ہے اس سے ان کی مراد علمائے احناف دیوبند نہیں، بلکہ تارکینِ تقلید ہیں۔ جب وہ رافضی، چکڑالوی، نیچری اور وہابی کے الفاظ استعمال کرتے تو ''دیوبندی'' لکھنے میں کیا رکاوٹ تھی؟ سچی بات یہ ہے کہ مولانا دبیر اہلِ سنت احناف کے مابین خلیج کے قائل ہی نہیں تھے۔ یہ نادان دوست مٹھی بھر لوگوں کے علاوہ روئے زمین کے ہر مسلمان کو کافر بنانے پر خدا جانے کیوں تلے ہوئے ہیں؟

مولانا دبیر ''وہابی'' تارکینِ تقلید کو کہتے تھے، علماء دیوبند کو نہیں......ثبوت ملاحظہ ہو

موضع چک رجادی ضلع گجرات میں مورخہ ۳،۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو علماء غیر مقلدین نے بعض مسائل پر احناف کو مناظرے کا چیلنج دیا تھا۔ اس مناظرے کی روداد مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے علیحدہ بھی اور بعدازاں ''مناظراتِ ثلثہ'' میں قلم بند کی تھی۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''غیر مقلدین کی اس دعوتِ مباحثہ کو احناف نے قبول کیا اور جناب مولانا محمود صاحب گنجوی نے منظوری مباحثہ کی اطلاع منتظمین جلسہ کو بھیج دی (آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں) حضرات احناف نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے مقابلہ کے لیے مولوی صاحب کے پُرانے حریف غازی اسلام مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب دبیر رئیس بھیں ضلع جہلم اور مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب امام جامع مسجد گوجرانوالہ کو بلوا لیا تھا''۔ (مناظراتِ ثلاثہ،ص ۳۲ مرتبہ ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر''مطبوعہ مسلم پریس لاہور)

مزید لکھتے ہیں: علمائے احناف میں سے سلطان الواعظین مولانا محمود گنجوی............ نے نوبت بہ نوبت تردید وہابیہ میں زبردست وعظ کیے۔ (صفحہ نمبر ۳۳)

اسی طرح مولانا دبیر نے یہ بھی لکھا ہے''مسئلہ تقلید شخصی کے متعلق مباحثہ کے لیے اِدھر سے جناب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب ، مولوی فاضل گوجرانوالہ پیش ہوئے (ص ۳۴)

علاوہ ازیں جو جو احناف علماء اس مباحثہ میں مولانا دبیر کے ساتھ گئے تھے ان میں مولانا سلطان احمدؒ، مولانا مولوی غلام رسولؒ (انہی والے) اور مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ وغیرہ کے اسماء درج ہیں۔ یہ سب کے سب علماء اہل سنت دیوبند کے تھے۔ مولانا محمود گنجوی (متوفی ۱۹۲۶ء) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد تھے جنہیں مولانا دبیر علمائے احناف میں شامل کہہ کر ''سلطان الواعظین'' کا لقب دے رہے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز

گوجرانوالوی (متوفی ۱۹۴۰ء) دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ بلکہ آپ مولانا حسین علی واں بھچروی کے خلیفہ بھی تھے اور ایک مدت تک شیرانوالہ مسجد گوجرانوالہ میں خطیب اور مدرسہ انوار العلوم کے مہتمم رہے۔ یہ مولانا دبیر کے معاونِ مناظرہ تھے اور مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ان کی حاضر جوابی اور تبحر علمی کی گواہی دی ہے اور مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ "پبلک نے تاڑ لیا کہ فاضل حنفی کی فاضلانہ بحث نے غیر مقلد مولوی کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ (صفحہ نمبر ۳۴) یہاں مولانا دبیر رحمہ اللہ نے علماء اہل سنت دیوبند کو علمائے احناف قرار دیا ہے اور ان کی علمی معاونت سے تارکین تقلید سے مناظرے کیے ہیں۔ کیا اس بے غبار حقیقت کے بعد بھی کہا جائے گا کہ مولانا دبیر علماء دیوبند کو وہابی سمجھتے تھے؟ جب کہ آج کل یہ ایک ایسی جاہلانہ اصطلاح بن چکی ہے جس کے وجہ استعمال کا خود جہلاء کو بھی پورا علم نہیں ہوتا۔ اگر مولانا دبیر نے "وہابی" دیوبندی علماء کو نہیں کہا تو کسے کہا؟ اُنہی سے سن لیجیے لکھتے ہیں:

> "اس فرقہ کو اہل حدیث یا دوسرے الفاظ میں غیر مقلدین اور وہابی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے خاص جدوجہد کر کے بہت بھولے بھالے اشخاص کو اپنا ہمنوا بنا لیا ہے اور دن رات اسی فکر میں رہتے ہیں کہ تمام مسلمان اُنہی کی طرح گستاخ بے ادب اور آزاد ہو کر تقلید سے متنفر ہو جائیں اور ہر ایک اپنے آپ کو مجتہد تصور کر لے" (مناظراتِ ثلاثہ، ص ۳، مطبوعہ مسلم پریس، لاہور)

اور اگر کہیں "وہابیہ" کے ضمن میں اکابرین اہل سنت میں سے کسی کا نام آیا بھی ہے تو وہ سبقتِ قلمی ہے کیونکہ صراحتاً مولانا دبیر انہیں علماء احناف کہہ رہے ہیں، اور علماءِ احناف سے مل کر غیر مقلدین کے خلاف مناظرے کر رہے ہیں تو جب قول و عمل میں تفاوت ہو تو ہمیشہ عمل معتبر ہوتا ہے۔ اور قول کی وُقعت ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا پروفیسر اصغر علی روحی (متوفی ۱۹۵۴ء) لیکچرار اسلامیہ کالج لاہور جو کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے اور مولانا فیض الحسنؒ حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے بے تکلف دوست تھے اور

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مزاح بھی کرتے تھے (سوانح قاسمی جلد اول ص ۴۶۵، از مولانا مناظر احسن گیلانی) چنانچہ انہی مولانا اصغر علی روحی کے متعلق مولانا دبیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کے نام نامی سے ایک دنیا آشنا ہے، آپ واقعی فخر علماء پنجاب ہیں۔ آپ کا وعظ تقلید کے متعلق تھا آپ کی فاضلانہ تقریر ماشاء اللہ ایک دریائے فصاحت تھی۔

(صداقت مذہب نعمانی، ص ۷، سن تالیف ۱۹۲۱ء، مطبوعہ سراج المطابع جہلم)

یہ واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ آج کے لوگوں کی طرح آنکھیں بند کر ''وہابی'' کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے ہاں تارکین تقلید ہی وہابی تھے نہ کہ علماء دیوبند احناف! ہم مناظرہ سلانوالی منعقدہ ۱۹۳۶ء سے پہلے مولانا دبیرؒ کی بعض عبارات کا ذمہ نہ لے کر اپنے بریلوی بھائیوں پر احسان کرنا چاہتے تھے، مگر یہ تعاون بھائیوں کو شاید راس نہ آیا۔ اب ان شاء اللہ ہر پڑھا لکھا قاری یہی فیصلہ دے گا کہ ۱۹۳۶ء سے پہلے بھی اگر مولانا دبیر دیوبندی نہیں تھے تو بریلوی بھی نہیں تھے کیونکہ آج کے بعض بریلوی علماء تو علماء اہل سنت دیوبند کا نام تک برداشت نہیں کرتے اور مولانا دبیر ان کے ساتھ مل کر اہل تشیع قادیانی اور غیر مقلدین سے مناظرے کرتے رہے۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب ''وہابی'' سے مراد دیوبندی نہیں ہیں تو پھر یہ لفظ مولانا دبیر کی کتب سے کیوں حذف کر دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو آفتاب ہدایت کے دوسرے اڈیشن میں مولانا دبیرؒ نے خود کئی مقامات سے حذف کیا تھا۔ اور ان کے اپنے ہاتھ کا یہ ترمیمی نسخہ ہمارے پاس موجود ہے۔ علاوہ ازیں ان کتب کا بنیادی موضوع رافضیت کا قلع قمع ہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد اہل سنت کے داخلی انتشار کی بناء پر مخالف فرقوں نے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔

مسالک اور مذاہب میں داخلی اختلاف جن کی بنیاد محض علم و تحقیق ہوتی ہے اس کا دشمن کو پتہ بھی چل جائے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ مگر جب ضد، تعصب، نفرت اور اشتعال وجہ اختلاف بن جائے تو اثاثہ فکر ملیا میٹ ہو جاتا ہے یہ الگ بات ہے کہ مرزائیوں،

شیعوں یا دیگر فرقہائے باطلہ کے مابین جو جوتیوں میں دال بٹتی ہے۔ وہ کیا کیا گل کھلاتی ہے؟ بلکہ اہل باطل اور اہل حق کے درمیان ایک یہ فرق بھی ہمیں محسوس ہوا ہے کہ اہل باطل جب آپس میں نبرد آزما ہوتے ہیں تو ایک دوسرے پر غیر اخلاقی بہتانات کا طومار باندھ دیتے ہیں۔ مرزائیوں کی ربوی اور لاہوری پارٹیوں کا لٹریچر اس پر شاہد ہے۔ منکرینِ حدیث اور اہل تشیع کی بھی من وعن یہی صورت حال ہے۔ مگر اہل حق کا اختلاف ہمیشہ علم و تحقیق کے دائروں میں رہتا ہے، اگرچہ یہ اختلاف جب نچلی سطح پر آتا ہے تو شدت اختیار کر جاتا ہے اور عدمِ برداشت کی وجہ سے نفسِ اختلاف دب جاتا ہے اور ذاتی منافرت بڑھ جاتی ہے۔

اور ویسے بھی لفظ ''وہابی'' جب سے عوام کی زبانوں پر بے مقصد استعمال ہونے لگا ہے، اس کا اہل علم سے صدور نازیبا سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں بریلوی دوستوں پر ہنسی آتی ہے کہ انہوں نے بزرگوں اور بعض اپنے مسلک کے قلمکاروں کی کتابوں میں ابواب کے ابواب تبدیل اور تحریف کر کے رکھ دیئے اپنے اس عمل پر تو انہیں کوئی شرمندگی نہیں، مگر دوسروں پر طعنہ زنی کرنے میں جود وسخا کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کی ایک دیوبندی عالم دین کی کتاب پر تصدیق وتقریظ

ایک غیر مقلد محی الدین (سابق کھتری[1]) نے احناف کے خلاف ایک زہریلی کتاب بنام ''ظفر المبین''، لکھی تھی۔ اس کا ضخیم اور بھرپور علمی جواب مولانا منصور علی خانؒ مرادآبادی، شاگردِ خاص حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے ''**الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین مع ضمیمہ تنبیہ الوھابیین**'' کے نام سے لکھا تھا اور یہ کتاب ''دار العلم والعمل فرنگی محل'' سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں ایک خاص بات یہ

[1] یہ پہلے ہندو کھتری تھا جس کا نام ہری چند ولد دیوان چند تھا، بعد میں مسلمان ہوا اور غیر مقلد دوستوں کے ہاتھ چڑھ گیا، انہوں نے اس نومسلم کو بجائے نماز، روزہ سکھلانے کے امام اعظم ابو حنیفہؒ کو گالیاں دینا سکھایا، کہ ان کے نزدیک اُخروی نجات اسی میں ہے **(نعوذ باللہ من ذالک)** غلام محیی الدین کے نام سے اس نے ''الظفر المبین''، لکھی تھی...... (ع۔س)

ہے کہ ہندوستان بھر کے بڑے بڑے علماء کرام نے مع مواہیر و دستخط اس پر تصدیقات لکھیں اور علماء بریلی میں سے مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی ایک طویل تقریظ نامہ تحریر کیا تھا جس کے آخر میں مولانا منصور علی خان رحمہ اللہ کو اپنی دعاؤں سے نوازا قارئین کرام! وہ دعائیہ جملے اور خان صاحب کی ذاتی مہر مع عکس ملاحظہ فرمائیں۔ خان صاحب نے لکھا ہے:
''اللہ تعالیٰ کتاب مستطاب فتح المبین کے مؤلف کو جزائے خیر، کرامت فرمائے کہ انہوں نے دشمنانِ دین کی سرکوبی فرما کر قلوبِ مومنین کو شفاء اور صدور منکرین کو زیادتِ غیظ وشقا بخشی۔

اولیائک امین اللہ تعالی اس کتاب مستطاب فتح المبین کے مؤلف کو جزای خیر کرامت فرمائے کہ اونھون نے دشمنان دین کی سرکوبی فرما کر قلوب مومنین کو شفا اور صدور منکرین کو زیادت غیظ وشقا بخشی فرحم اللہ من شفی واشتفی واغنی وکفی والسلام علی من اتبع الھدی۔ قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ عبدہ المغتاق الیہ اکل علیہ عبد المصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی اصلح اللہ احوالہ وجعل الی خیر آلہ وبشلہ لکل مؤمن ومؤمنۃ امین ثم امین برحمتک یا ارحم الراحمین۔



اب فقیہہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر اکابرینِ دیوبند کی اس کتاب پر مہر تصدیق بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ علامہ گنگوہیؒ کی تحریر اور دارالعلوم دیوبند کے سرکردہ علماء کرام کی تصدیق یہ ہے ''بعد حمد وصلوٰۃ معلوم ہو کہ اس کتاب کو بندہ نے اکثر مقامات سے دیکھا، حق یہ ہے کہ بعض جا پر تو بہت ہی عمدہ لکھا ہے اور بعض مقام پر بقدر ضرورت جواب دیا ہے۔ بہر حال مضمون اس کا ردہفواتِ محی الدین مؤلف ظفر مبین کے لیے کافی ہے اور واسطے ہدایت مخالفین کے وافی، حررہٗ رشید احمد گنگوہی۔

بہر حال مضمون اسکا ردہفوات محی الدین مؤلف ظفر مبین کے لیے کافی ہے اور واسطے ہدایت مخالفین کے وافی فقط حررہ رشید احمد گنگوہی۔



اب بریلوی دوست بتائیں کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگرد

مولانا منصور علی خانؒ مراد آبادی کی رد وہابیت پر (نام سے ظاہر ہے) کتاب کی تصدیق مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی کر دی ہے اور دعاؤں سے بھی نوازا ہے۔ معلوم ہوا کہ علماء دیو بند کو وہابی کہنا نری جہالت ہے اور اس جہالت سے ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ بلکہ مولانا احمد رضا صاحب کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے دوست اس وقت سے ڈریں جب ہم مولانا احمد رضا خان صاحب کے متعلق بھی ثابت کر دیں گے کہ وہ آخری سانسوں میں یعنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے اپنے وصایا میں کھانے کی فہرست اندراج کروانے کے بعد علماء دیو بند کی بے ادبی کرنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ چکے تھے۔ اوران کی وفات مسلکِ دیو بند پر ہوئی ہے۔ تب آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

② محرفین کا امام کون ہے؟

میثم عباس صاحب نے سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کو ''امام المحر فین'' لکھا ہے۔ حالانکہ محرفین کی امامت کا سہرا مولانا احمد رضا خان صاحب، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا محمد عمر اچھروی اور اس قبیل کے چند دیگر حضرات کے سر ہے۔ علامہ خالد محمود صاحب کی لاجواب جواب کتاب ''مطالعۂ بریلویت'' کی دوسری جلد کا موضوع یہی ہے۔ اس میں ان حضرات کی جملہ تحریفات جمع کر دی گئی ہیں اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا ممکن ہے مگر دوستوں کا ان تحریفات سے برگشتہ ہونا یا انہیں غلط ثابت کرنا ناممکن ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے ترجمہ ''کنز الایمان'' اوران کے حاشیہ نویس سرکار نعیم الدین صاحب نے کس طرح آیات قرآنی سے گیارہویں، چہلم، دودھ، پراٹھے اور دسویں محرم کی فضیلتیں ثابت کی ہیں؟ پڑھ کر شرمندگی ہوتی ہے ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل دوستوں کا یہ تحریفی مجموعہ خود ان کی لائبریریوں میں موجود ہے اوران کے گلے کا کانٹا بنا ہوا ہے۔ مگر یا حسرت! چھاج چھلنی کو سوراخوں کا طعنہ دے رہا ہے۔ جبکہ اس میں خود لاتعداد سوراخ ہیں۔

③ مولانا منور الدین صاحب کا مرزائیت سے متاثر ہو جانا

ہمارے بریلوی بھائی نے ایک نسوانی طعنہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ "مناظرہ سلانوالی کے انعقاد کے بنیادی محرک مولوی منور الدین صاحب بعد میں مرزائیت کی جانب مائل ہو گئے تھے"

اس کا جواب یہ ہے کہ کیا مناظرہ کی وجہ سے مائل بہ مرزائیت ہو گئے تھے؟ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین مناظرے کا اس وقوعے سے کیا تعلق ہے؟

ثانیاً! کسی بھی انسان کی ہدایت اور گمراہی کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے اور اپنے خاتمہ بالایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ اگر اس قسم کے واقعات کو موضوعِ سخن بنایا جائے تو کئی ایک مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ اس لیے اہل علم کے ہاں یہ بُودے استدلالات تصور کیے جاتے ہیں۔

ثالثاً! مولوی منور الدین صاحب جو کچھ ہوئے بعد میں ہوئے، مگر مولانا کرم الدین دبیرؒ تو عین حینِ مناظرہ اپنی نظریاتی کایا پلٹ چکے تھے، بلکہ مولانا حشمت علی خان "پھکڑ باز" انہی کی زبان سے قرار پا چکے تھے، اور دورانِ مناظرہ مولانا حشمت علی پیر قمر الدین صاحب رحمہ اللہ کی زبان سے "چبل" کی اعزازی سند بھی حاصل کر چکے تھے۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

مولوی منور الدین صاحب کے متعلق اصل حقیقت

اصل بات یہ ہے کہ مولوی منور الدین صاحب کی طبیعت میں قدرے تلون تھا، اور متلون مزاج انسان جب کثیر المطالعہ بھی ہو تو اس کے نظریات میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ مولانا منور الدین صاحب مرزائی نہیں ہوئے تھے بلکہ حیاتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ متزلزل ہو گیا تھا اور یہ مرزا قادیانی کی کتابیں پڑھنے کا نتیجہ تھا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے ساتھ ان کے نجی مباحثے ہوتے رہے تھے مگر وہ قائل نہ ہوئے۔ تا آنکہ سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد

چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ چک منگلا ان کے گاؤں جا پہنچے تھے اور کئی گھنٹے کی گفتگو کے بعد مولوی منور الدین صاحب نے یہ کہہ کر رجوع کر لیا تھا کہ "حیات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جہاں آپ لوگوں کا دماغ پہنچا ہے وہاں مرزا قادیانی کا دماغ نہیں پہنچا" ہاں مولوی صاحب کے اس تلون طبع کی بناء پر جہاں اور کئی معاملات میں ان کے معتقدین متشدد ہو گئے تھے وہاں کوئی فتنہ مرزائیت سے بھی متاثر ہو گیا ہو تو بعید نہیں ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے بعض متعلقین آخری وقت تک مرزائیت سے متاثر رہے مگر اس بات کا اہل سنت دیوبند کی صداقت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ میثم عباس صاحب یا گنتی کے چند دیگر بریلوی حضرات جو دیوبندیوں کو کافر تک کہہ دیتے ہیں وہ بتائیں کہ رائیونڈ کے سالانہ اجتماع میں ہزاروں بریلوی لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور مساجد میں مشترکہ نمازیں ادا کرتے ہیں نیز دیوبندی مدارس میں سینکڑوں بریلوی بھائیوں کے بچے زیر تعلیم ہیں۔ تو کیا آپ کے عقیدے اور خود ساختہ فتوے کے مطابق آئے روز بریلوی کافر نہیں بن رہے؟ وہاں تو ایک مولوی منور الدین صاحب مرزا قادیانی کے عقیدت مند ہو گئے تھے، مگر یہاں تو آئے دن ہی بریلوی آپ کے اصول کے مطابق غیر مسلم ہو رہے ہیں؟ بھائیو خدا کا خوف کرو اور اپنی آخرت برباد نہ کرو۔ ایک بنیادی قاعدہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ نبوت و رسالت کے علاوہ ہر روحانی مرتبہ سلب ہو سکتا ہے۔ انسانوں میں صحابی، ولی، عالم، مجتہد یا کوئی بھی نیک خصلت انسان اپنے منصب سے ہاتھ دھو سکتا ہے، سوائے نبوت و رسالت کے..... لہٰذا ایسی باتوں کو بنیاد بنا کر حریف کو طعنے دینا کبھی اہل علم کا شیوہ نہیں رہا۔

④ ایک بچگانہ اعتراض

ہمارے بریلوی بھائی میثم عباس صاحب کو اپنا مقالہ پُر کرنے کے لیے آخر کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا، سو جو ان کے دماغ میں آیا وہ لکھتے گئے۔ اور یہ نہ سوچا کہ ان باتوں کا علمی و تحقیقی تو دور کی بات کوئی عقل و دانش سے بھی تعلق ہے یا نہیں؟ مولانا دبیر رحمۃ اللہ علیہ کی آخری سالوں میں کچھ بینائی کمزور ہو گئی تھی اور آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا۔ اس کا ذکر حضرت اقدس قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جگہ کیا ہے۔ چنانچہ معترض کہتے ہیں۔

''مولوی عبدالجبار سلفی دیوبندی صاحب نے قاضی مظہر حسین صاحب کی ایک تحریر نقل کی ہے جس میں ایک جگہ مولانا دبیر رحمۃ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''موتیا بند ہونے کی وجہ سے حضرت والد مرحوم کی بینائی جاتی رہی تھی'' معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری حصہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کی بینائی چلی گئی تھی۔ لہٰذا یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے مولانا کرم الدین دبیر کے علم میں لائے بغیر دیوبند میں داخلہ لے لیا تھا، مولانا کرم الدین دبیر علیہ الرحمہ کو قطعاً اس کی اطلاع نہ دی گئی کیونکہ اگر انہیں علم ہوتا تو وہ ضرور قاضی مظہر حسین صاحب کو روکتے۔ الخ

(ملخصاً، مسلک دبیر پر محرفین کے شبہات کا ازالہ صفحہ ۸۶)

تبصرہ

کیا عقلی طور پر یہ ممکن ہے کہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمۃ اللہ والد گرامی کی کمزور بینائی کا فائدہ اٹھا کر اطلاع کیے بغیر گھر سے نکل گئے ہوں اور دو سال دیوبند میں مقیم رہ کر واپس گھر آ گئے ہوں؟ اصل میں آپ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کمزور نظر پر اس کو قیاس کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کو سامنے پڑی ہوئیں روٹیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ جیسا کہ مولانا احمد رضا صاحب کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ:

''ایک مرتبہ ان کے سامنے کھانا رکھا گیا، انہوں نے سالن کھا لیا مگر چپاتیوں کو ہاتھ بھی نہ لگایا، ان کی بیوی نے کہا کیا بات ہے۔ خالی سالن کے شوربے پر کیوں اکتفاء کیا؟ چپاتیاں کیوں نہیں نوش کیں؟ انہوں نے جواب دیا مجھے نظر نہیں آئیں۔ حالانکہ وہ سالن کے ساتھ ہی رکھی ہوئی تھیں۔ (انوارِ رضا، صفحہ ۳۶۰)

معترض دوست سمجھتے ہیں کہ جس طرح مولانا احمد رضا صاحب کو روٹیاں نظر نہیں آتی تھیں، مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کو لختِ جگر نظر نہیں آیا۔ حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اور ویسے بھی اناج اور اولاد میں زمین و آسمان کا فرق ہے، معترض دوستوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ نے باقاعدہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ کے نام خط لکھا

تھی کہ ”میں اپنے لڑکے کو دارالعلوم میں آپ کے زیر سایہ تعلیم دلوانا چاہتا ہوں۔“ ❶ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی تھی۔ غازی منظور حسین رحمہ اللہ نے اس زمانہ میں کالج سے B.A کیا تھا اور حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ نے بھی از شروع تا آخر تعلیم والد گرامی کے زیر سایہ اور ان کی مشاورت سے مکمل کی۔ یہ اعتراض انتہائی گھسا پٹا اور فضول ہے۔

یہ جو حوالہ ہم نے مولانا احمد رضا صاحب کا روٹیوں کے نہ دیکھنے والا دیا ہے، اس پر ایک بریلوی دوست نے اپنے ہی لوگوں کے خلاف بڑا احتجاج کیا تھا کہ مولانا احمد رضا صاحب کی زندگی کی لغویات کو منظر عام پر نہ لایا جائے۔ مثلاً ظہیر الدین خان قادری برکاتی نوری رضوی کانپوری لکھتے ہیں کہ

”یہ واقعہ نہ لکھا جاتا تو کون سا قیامت ٹوٹ پڑتی؟ اعلیٰ حضرت کا کون سا فضل و کمال اس سے ظاہر ہوا؟...... جو شخص یہ پڑھے گا کہ اعلیٰ حضرت کو سامنے کی چپاتیاں نظر نہیں آئیں وہ کیسے آپ کی ولایت کا قائل ہوگا؟ اس واقعے کے نقل کر دینے سے آپ کی بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت بھی مجروح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آئندہ سوانح نگار حضرات عقیدت کے جوش میں اس طرح کی حماقتیں نہ کریں۔

(روحِ اعلیٰ حضرت کی فریاد، صفحہ مطبع قادریہ پنکا پور، کانپور)

ہم مطمئن ہیں کہ معترض بھائی کے اس اعتراض کو بھی کوئی اپنا ہی حماقت قرار دے گا کیونکہ ڈوبنے کے لیے پانی شرط ہے اور آپ بغیر پانی کے خود کو ڈبونے پر مُصر ہیں۔

---

❶ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ لکھتے ہیں ”اگلے سال رمضان ۱۳۵۶ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے بخوشی اجازت دے دی اور خود اعلیٰ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ شیخ الحدیث دیوبند کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ میں اپنے فرزند کو دارالعلوم میں حضرت کے زیر سایہ تعلیم دلانا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے سہلٹ (آسام) سے جواب تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ اپنے لڑکے کو ابتدائے شوال میں دیوبند بھیج دیں۔ میں نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کو اس کے متعلق لکھ دیا ہے۔ وہ مہربانی فرمائیں گے۔“ (کشف خارجیت، صفحہ نمبر ۱۰۱، ۱۰۲، طبع اول)

میرے بھائی آپ اپنے دل کی میل کچیل کھرچ دیجیے۔ اور بلا وجہ کی ہٹ دھرمی سے اپنا نقصان نہ کیجیے۔

مولانا دبیر رحمہ اللہ کا جنازہ

ہم نے اپنی کتاب ''احوالِ دبیر'' میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھانے والے عالم دین کا نام درج نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ثقہ طور پر کوئی ایسا ثبوت ہمیں نہیں مل سکا اور نہ ہی حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کی نماز جنازہ پڑھانے والے کا نام کہیں لکھا ہے، کیونکہ آپ خود اس وقتِ پسِ زنداں تھے اور شریک جنازہ نہ تھے۔ محترم شہباز انجم صاحب کی کتاب ''شخصیاتِ جہلم'' میں مولانا دبیر کے ذکر میں ہے کہ اُن کا جنازہ مولانا ثناء اللہ صاحب موضع پنجائن (چکوال) نے پڑھایا۔ مگر ہم نے ان کی اس بات پر یقین اس لیے نہیں کیا کہ ان کی کتابوں میں بہت سی باتیں خلاف تحقیق ہوتی ہیں۔

اور راقم الحروف نے بعض چیزوں کی نشاندہی کر کے ایک مضمون بعنوان ''کتاب شخصیات جہلم'' کے چند تسامحات'' لکھا تھا جو ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے پوتے حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر اپنے داداجی کی وفات کے وقت صرف پانچ سال کے تھے اس لیے ان کے علم میں بھی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں کوئی شخصیت نہیں مل سکی جو ہمیں یہ معلومات فراہم کرسکتی۔ آجا کے ہمیں کتاب ''شخصیات جہلم'' پر ہی بھروسہ کرنا پڑتا ہے، اور راقم الحروف کے پاس جو مولانا دبیر رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری ہے اس میں وصیت کے اندر یہ بات درج ہے کہ اگر میرا بیٹا قاضی مظہر حسین موجود ہو تو میرا جنازہ وہی پڑھائے پہلے وصیت کے الفاظ مطالعہ فرمائیں اور پھر مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ہاتھ کی تحریر کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔

''موت برحق ہے۔ ''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ'' اگر میرا پیغام اجل آجائے تو میری صلوٰۃ جنازہ برخوردار مولوی مظہر حسین سلمہ اللہ پڑھادے، تا حال تو وہ قفس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نورِ نظر کو جلد رہائی دے آمین۔

مدت بعد بحمد للہ میں عیب اتفاق اجتماع
پنجاب [illegible] آجائے تو میری [illegible] جنازہ
[illegible] حسین [illegible] انشاء اللہ پڑھا دے
تا حال [illegible]
[illegible] الشوقی [illegible]

خاکسار [illegible] الدین [illegible]
[illegible]

نیز مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کا مولانا دبیر رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھانے پر پورا یقین ہمیں اس لیے بھی نہیں ہے کہ ۱۹۴۰ء میں ان کے ساتھ مولانا دبیر کا حرمتِ مصاہرہ کے موضوع پر مناظرہ ہوا تھا، جس کی پوری تفصیل مع تاریخی ریکارڈ کے راقم الحروف نے اپنی کتاب احوال دبیر کے تیسرے اڈیشن میں دے دی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ اس میں مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے مولانا احمد دین جسیالی رحمہ اللہ اور مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ مناظر تھے۔ بریلوی دوست میثم صاحب کا کہنا ہے کہ مولانا ثناء اللہ پنجائن والے بریلوی عالم تھے اور انہوں نے مولانا دبیر کا جنازا پڑھایا۔ ہمارا سوال اس وقت یہ نہیں ہے کہ بریلوی عالم نے اس مناظرہ میں مولانا احمد دین جسیالی رحمہ اللہ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ جیسے دونوں دیوبندیوں کو ہی اپنا مناظر کیوں منتخب کیا؟ ہمارا دعویٰ ایک بار پھر تقویت پا رہا ہے کہ یہ سب حضرات اُس زمانہ میں اِس معنی میں بریلوی نہیں تھے جو دوست دیکھنا چاہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس مناظرے نے مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا دبیر رحمہ اللہ کے مابین بہت دوری پیدا کر دی تھی۔ دونوں کے معتقدین نے ایک دوسرے کے خلاف اشتہار بازی شروع کر دی تھی مولانا ثناء اللہ کے بیٹے قاضی محمد عابد کدتھی والوں نے اپنے والد کی جانب سے اور مولانا حکیم غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ نے مولانا دبیر اور ان کے صاحبزادہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے دفاع میں بڑے بڑے قد آور اشتہار شائع کیے۔ جس کی تفصیل احوال دبیر (طبع سوم) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے اور ان اشتہاروں کی بنیاد پر مرزائیوں نے جو اعتراضات کا طوفان کھڑا کیا تھا، اس کے جوابات بھی دے دیے گئے ہیں الحمد للہ علیٰ ذالک۔
اس قضیے نے اتنا طول پکڑا کہ معاملہ تھانہ کچہریوں، پنچایتوں اور مناظرہ و مباحثہ تک ہوتا

ہوا اچھا خاصہ تنازع کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور تاریخی ریکارڈ سے یہ بات عیاں ہے کہ اس علمی مباحثہ کو لڑائی میں تبدیل کرنے والے اہل تشیع تھے۔ جو ابو الفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ سے ساری زندگی خائف رہے اور اب بڑھاپے میں وہ انہیں پریشان دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر سچ ہے کہ

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اس قضیے کے چھٹے سال یعنی ۱۹۴۶ء میں مولانا دبیر کا انتقال ہوگیا۔ سابقہ شدید اختلاف کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا عقلاً مشکل ہے کہ مولانا دبیر کے اہل خاندان نے مولانا دبیر کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کا انتخاب کیا ہو۔ بہرحال اس بحث سے ہمارا مقصد صرف تاریخی حقائق سے پردہ اٹھانا ہے، مولانا دبیر کی مسلکی تبدیلی کے دعویٰ کو توانائی فراہم کرنا نہیں۔ کیونکہ مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ ایک معتدل عالم دین تھے اور اس زمانہ میں دور دراز سے طلبہ علوم صرف ونحو، خصوصاً اُن سے ''کافیہ'' پڑھنے آتے تھے۔ بالفرض مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ہی مولانا دبیر کا جنازہ پڑھایا ہو تو بریلوی دوست بغلیں کیوں بجا رہے ہیں؟ دار العلوم دیو بند میں مولانا دبیر کا خود اور اپنی ہمشیرہ کا چندہ ارسال کرنا، مظاہر علوم سہارنپور سے دورہ حدیث کرنا، علماء اہل سنت دیو بند سے قلبی لگاؤ رکھنا، اپنے نور نظر کو دیو بند سے دورۂ حدیث کروانا اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کی درخواست کرنا اور حضرت قاضی صاحب ؒ کو مولانا نصیر الدین غور غشتوی ؒ (خلیفہ مولانا حسین علی واں بھچروی) کے پاس ایک استفتاء کی تصدیق کے لیے بھیجنا [1] تو ان کی دیو بندیت کے لیے ناکافی ٹھہرے اور مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ جیسے ایک معتدل عالم کا جنازا پڑھانا (اور وہ بھی جب کہ محلِ نظر ہو) بریلویت کا معیار بن جائے۔ کیا اسی کو تحقیق کہتے ہیں؟ کیا سورج کی کرنیں مٹھی میں بند کی جا سکتی ہیں؟ چمگادڑوں نے آج تک دن میں آنکھیں بند کر کے سورج کا کیا بگاڑ لیا؟ قومیں حقائق تسلیم کرنے کی غذا پر ہی زندہ رہتی ہیں۔ اور جس طبقے کو یہ غذا میسر نہیں، وہ جیتے جی مردہ ہے۔ اور مُردوں کا سب سے بڑا حق یہی ہوتا ہے کہ زندہ قومیں ان کے لیے ایصال ثواب کریں۔ سو ہم آپ کے لیے

---

[1] کشف خارجیت صفحہ ۱۳۵، طبع اوّل۔

ایصال ثواب کرتے رہیں گے۔ اور آپ تعصب و عداوت کے برزخ میں خواہ ہمیں گھوریاں ڈالتے رہیں، ہم تب بھی یہ فرض ادا اپنا کرتے رہیں گے برصغیر پاک و ہند کے اہل السنّت والجماعۃ میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر ابو الفضل مولانا کرم الدین دبیرؒ اور ان کے لختِ جگر حضرتِ اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ تک سچ کے یہ چراغ جلتے رہیں گے اور روشنی پھیلاتے رہیں گے۔ کیونکہ جہالت کا علاج مقابلہ بازی سے نہیں ہوتا، علم اور حق کی روشنی سے ہوتا ہے۔ اور اندھیروں سے یہ مقابلہ جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز ؎

پڑا فلک کو دِل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

عبدالجبار سلفی
ادارہ مظہر التحقیق، کھاڑک ملتان روڈ لاہور
۲۵ اگست ۲۰۱۳ء
بروز اتوار بوقت 7:30 صبح

حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی ولادت پر مولانا کرم الدین دبیرؒ کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ایک یادگار تحریر کا عکس

تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء روز سہ شنبہ ۲۹ ذیعقدہ ۱۳۳۲ھ ۴ ماہ کاتک ۱۹۷۱ وقت ۹ بجے رات ۔ اللھم زد عمرہ وسعدہ۔

(تاریخِ تولد برخوردار مظہر حسین ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء روز سہ شنبہ ۲۹ ذیعقدہ ۱۳۳۲ھ ۴ کاتک ۱۹۷۱ وقت ۹ بجے رات اللھم زد عمرہ وسعدہ)

ادارہ مظہر التحقیق کی نشریات کا مختصر خاکہ 0321-4145543

عام قیمت	نام مصنف	نام کتاب
550	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	آفتاب ہدایت رد رفض و بدعت
300	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	تازیانہ عبرت:
140	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسولؐ
160	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	تازیانہ سنت رد اہلِ رفض و بدعت
60	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	فیض باری رد تعزیہ داری
950	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	خارجی فتنہ (2) جلدیں
550	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسینؓ
475	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	علمی محاسبہ
150	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	خلافت راشدہ و امامت
120	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	مودودی مذہب
160	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	سنی مذہب حق ہے؟
160 -	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	دفاع حضرت امیر معاویہؓ
120	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	ایک اجمالی نظر
50	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	جوابی مکتوب
50	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	ہم ماتم کیوں نہیں کرتے
	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	کشفِ خارجیت
	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	مشاجراتِ صحابہؓ 2 جلدیں
60	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	سنی مؤقف
300	حافظ عبدالجبار سلفی	احوالِ دبیر
	حافظ عبدالجبار سلفی	لطمۃ الحق
50	حافظ عبدالجبار سلفی	سوط العذاب علی العنید الکذاب
	حافظ عبدالجبار سلفی	تنبیہ الناس علی شر الوسواس الخناس
200	حافظ عبدالجبار سلفی	نجوم ہدایت
	حافظ عبدالجبار سلفی	تعویذ المسلمین عن شرور المفسدین
50	حافظ عبدالجبار سلفی	رمضان المبارک کے احکام و مسائل
50	حافظ عبدالجبار سلفی	احکام قربانی
160	حافظ عبدالجبار سلفی	عبداللہ چکڑالوی اور فتنۂ انکارِ حدیث
60	حافظ عبدالجبار سلفی	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی (احوال و افکار)
100	حافظ عبدالجبار سلفی	مناظرہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تمام کتابیں 50% ڈسکاؤنٹ پر ملیں گی۔



ادارہ مظہر التحقیق لاہور

0321-4145543
0322-8464167